شیخ محمد منصور المحجوب

چیف جسٹس لیبیا سے ایک ملاقات

لیبیا افریقہ کا مشہور اسلامی ملک ہے۔ جو مصر اور مراکش کے درمیان واقع ہے، یہاں کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شیخ محمد منصور المحجوب کا نام تو میں نے بار بار سنا تھا، لیکن ان سے پہلی ملاقات ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ کی شام کو چک لالہ ایئرپورٹ کے وی آئی پی روم میں ہوئی۔ یہ راولپنڈی میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا پہلا دن تھا، بیشتر ملکی وغیر ملکی مندوبین پہنچ چکے تھے، اور سہ پہر کو تین بجے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے وسیع لان میں کانفرنس کے افتتاح کی رسمی تقریب شروع ہو چکی تھی۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم جو اپنی علالت کی بناء پر ابھی تک پنڈی نہیں پہنچ سکے تھے، شام کو سوا چار بجے کے طیارے سے تشریف لا رہے تھے، میں وقت سے کچھ پہلے چک لالہ کے ہوائی اڈے پر پہنچ گیا، اسی طیارے سے انڈونیشیا کے ایک مندوب پروفیسر ابراہیم حسن بھی تشریف لا رہے تھے۔

ٹھیک سوا چار بجے پی آئی اے کا ٹرائیڈنٹ طیارہ زمین پر اترا اور اس میں سے حضرت والد صاحب مدظلہم اور پروفیسر ابراہیم حسن کے علاوہ مجھے ایک اور پرکشش شخصیت اترتی نظر آئی۔ دراز قد، بھرا ہوا جسم، معصوم اور باوقار چہرہ، سر پر خوبصورت عمامہ کیساتھ سرخ ٹوپی، اور گردن سے ٹخنوں تک اونی جبہ پہنے ہوئے ـــــ جب وہ ذرا قریب آئے تو میں استقبال کیلئے آگے بڑھا انہوں نے مسکرا کر مصافحہ کرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ "منصور المحجوب من لیبیا"

اس سے قبل کانفرنس کے منتظمین نے مجھے یہ بتلایا تھا کہ شیخ منصور المحجوب کسی عذر کی وجہ سے

تشریف نہیں لا رہے۔ اس لئے اچانک یہ نام سن کر مجھے حیرت کے ساتھ بڑی مسرت ہوئی۔ وی آئی پی روم میں رسمی مراحل طے کرنے کے بعد جب ہم ہوٹل جانے کے لئے گاڑی میں بیٹھے تو انہوں نے بتایا کہ مسلسل سفر کی بنا پر وہ تین راتوں سے سو نہیں سکے اور سخت تھکن کی وجہ سے آج کی مجلس میں شریک ہونا ان کے لئے ممکن نہیں ہے ۔۔۔ چنانچہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل پہنچ کر وہ سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے، اور صبح تک کسی پروگرام میں شریک نہیں ہوئے۔

اگلی صبح جب میں کانفرنس ہال جانے کیلئے اپنے کمرے سے نیچے اترا تو وہ لابی میں کھڑے تھے میں نے سلام کے بعد ان سے پوچھا:

فرمائیے، رات کیسی گذری ۔۔۔؟

انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ " رات بستر پر لیٹنے کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔ اب میں بالکل تازہ دم ہوں "

اس کے بعد ہم باتیں کرتے ہوئے کانفرنس ہال تک آ گئے ۔۔۔ محب محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق (اکوڑہ خٹک) بھی موجود تھے۔ ایک بجے کے قریب اجلاس سے فارغ ہو کر ہم دونوں شیخ مجوب کے کمرے میں چلے گئے، کافی دیر تک ان سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ہم نے " البلاغ " اور " الحق " کے مختصر تعارف کے بعد ان سے ایک انٹرویو کی فرمائش کر دی۔ اس پر انہوں نے کہا:

" کانفرنس کی مصروفیات تو آپکے سامنے ہیں، آپ ایسا کریں کہ کسی وقت سوالات لکھ کر مجھے دیدیں، مجھے جس وقت بھی مہلت ملے گی، ان کا تحریری جواب پیش کر دوں گا۔"

چنانچہ اسی روز شام کو میں نے کچھ سوالات لکھ کر انہیں پہنچا دئے۔ لیکن اس کے بعد کے پروگرام اس قدر مسلسل رہے کہ جب تک میں راولپنڈی میں رہا، ان سے بس آتے جاتے علیک سلیک ہوتی رہی اور کسی تفصیلی ملاقات کا موقعہ نہ مل سکا۔

پھر ۱۶ر ذیقعدہ کو جب میں لاہور پہنچا تو جامعہ اشرفیہ کے ایک جلسے میں ان سے پھر ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا:

" میں شرمندہ ہوں کہ آپ کے سوالات کا جواب اب تک نہیں لکھ سکا۔ کل دس بجے کے قریب میں کراچی واپس جا رہا ہوں، آپ اگر صبح ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں مجھے مل لیں تو بڑا اچھا ہو "

میں نے صبح آنے کا وعدہ کر لیا، اور جب اگلی صبح میں ہوٹل پہنچا تو ان کے ہوائی اڈے کیلئے

روانہ ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ باقی تھا۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے سوالات کا پرچہ نکالا، اور مسکرا کر کہنے لگے: "میں اب بھی جوابات لکھ نہیں سکا، اب زبانی ہی کچھ باتیں ہو جائیں"۔ اور اسطرح گفتگو شروع ہوگئی، میں نے پوچھا:

"لیبیا میں عدالت اور قضاء کے نظام کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔؟"

"لیبیا میں دو قسم کی عدالتیں ہوتی ہیں۔" شیخ نے اطمینان کے ساتھ کہنا شروع کیا — ایک شرعی عدالتیں جن میں دینی امور کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اور دوسری مدنی (سول) عدالتیں جن میں حقوق شہریت سے متعلق مقدمات کی سماعت ہوتی ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ ابتدائی عدالتیں جن کی طرف ہر مقدمے میں ابتداءً رجوع کیا جاتا ہے۔ اور مرافعہ (WRIT PETITION) کی عدالتیں جن میں ابتدائی عدالت کے فیصلوں پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔ پھر ان تمام عدالتوں کے اوپر ایک محکمۂ علیا (سپریم کورٹ) ہے، جس میں شرعی اور مدنی دونوں قسم کے تنازعات کا تصفیہ ہوتا ہے۔ اس محکمۂ علیا کا کام یہ ہے کہ وہ عدالتہائے مرافعہ کے فیصلوں پر نظر ثانی کرتا ہے، انتخابات کے سلسلے میں جسقدر اعتراضات ہوتے ہیں وہ اسی عدالت کے سپرد ہوتے ہیں۔ نیز دستوری تنازعات کا فیصلہ بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ یہ عدالت اپنے مالی اور انتظامی امور میں ایک آزاد ادارہ ہے جو ایک جنرل باڈی کی نگرانی میں کام کرتا ہے"۔

"قاضیوں کے عزل ونصب وغیرہ کا اختیار کس کو ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"قاضیوں کے عزل ونصب اور ترقی وتنزل وغیرہ کے جملہ امور ایک مخصوص جماعت کے سپرد ہیں جو "مجلس اعلیٰ للقضاء" (SUPREME JUDICIAL COUNCIL) کہلاتی ہے۔ محکمۂ علیا کا رئیس القضاۃ (سپریم کورٹ کا چیف جسٹس) اس جماعت کا صدر ہوتا ہے، اور ملک کے بڑے بڑے ماہرین قانون اس کے رکن ہیں — یہ تمام قاضی خواہ کسی قسم یا کسی درجے کی عدالت سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے فیصلوں میں قطعی طور پر آزاد ہوتے ہیں، اور قانون کے سوا ان پر کسی کی بالادستی نہیں ہوتی"۔

شیخ محجوب یہاں تک پہنچ کر رک گئے تو میں نے پوچھا:

"لیبیا میں قوانین کا بنیادی مأخذ کیا ہے۔؟"

فرمانے لگے۔ "بعض جزوی قوانین نظر ثانی کے محتاج ہو سکتے ہیں، لیکن لیبیا میں بنیادی طور پر اسلامی شریعت ہی کو مأخذ قانون قرار دیا گیا ہے"۔

"سماحۃ الشیخ:" میں نے کہا: "آجکل پوری دنیا جرائم و مظالم کے روز افزوں اضافے سے بُری طرح تنگ آئی ہوئی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جرائم کا بڑا سبب افلاس ہوتا ہے، لیکن آج دنیا کے خوشحال ترین ممالک میں جرائم کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ قانونی سختیوں کی کمی یا کمزوری کو جرائم کے اضافے کا سبب قرار دیا جا سکتا تھا۔ مگر ہماری آنکھوں کے سامنے جتنا اضافہ قانونی سختیوں میں ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ جرائم بڑھ جاتے ہیں، آخر اسکی وجہ کیا ہے۔؟ اس مرض کا کوئی علاج بھی ممکن ہے۔؟"

میرے اس سوال سے ان کے لبوں پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے، اس کے بعد انہوں نے رک رک کر بولنا شروع کیا:

"اس سوال کا جواب بڑا طویل ہے۔ تقی صاحب! میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت انسانیت کی باگ ڈور ہے، وہ انسان اور خاص طور سے مجرم کی نفسیات کو نہیں سمجھ سکے۔ انکی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ ذہن کی صحیح تربیت کے بغیر صرف قانونی جکڑ بندیوں سے جرائم کا انسداد کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ طریقہ قطعی طور پر غیر فطری ہے۔ اور اس سے اصلاح احوال کی توقع رکھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔"

یہاں پہنچ کر اچانک ان کے لہجے میں بلا کی روانی آگئی، وہ قدرے جوش کے ساتھ کہنے لگے:

"موجودہ دنیا نے تو مادّہ اور نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے، اور اسکی تمام تر سرگرمیاں اسی پہیئے کے گرد گھوم رہی ہیں، انسان کو خوب اچھی طرح یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ تیری زندگی کا منتہائے مقصود مادّی منافع کا حصول اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے، اس کے ذہن سے یہ بات محو کر دی گئی ہے۔ کہ اس دنیا میں چند سال گذارنے کے بعد اسے کہیں اور بھی جانا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اسی چند روزہ زندگی کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہے، جب اسے جائز طریقوں سے اس زندگی کا عیش میسر نہیں آتا تو وہ اپنے آپ کو محروم سمجھتا ہے۔ بس یہی احساس محرومی ہے جو اُسے جرم اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر آپ بڑے قانون کے ڈنڈے کے بل پر اُسے ارتکاب جرم سے نہیں روک سکتے تنہائی اور تاریکی میں اسے کسی کا خوف نہیں ہوتا، اس لئے وہ بڑی آسانی سے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ پھر جب اسکی خواہشات اور ضرورتیں بڑھتی ہیں تو آبادی اور اجالے میں بھی وہ کھلے بندوں قانون سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اسکی نظر میں محرومی اور اسیری دونوں برابر ہیں۔"

"پھر آخر اس مسئلے کا کوئی حل بھی ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"اگر ہم رجعت پسندی کے مہمل طعنے سے ڈرنا چھوڑ دیں۔ تو اس کا بڑا اچھا حل ہمارے پاس

موجود ہے۔ اور وہ ہیں اسلامی تعلیمات۔" انہوں نے کہا۔

"اسلام کی وہ کونسی تعلیمات ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ جو اس مشکل کا حل پیش کرتی ہیں۔؟"

انہوں نے خیالات کو مجتمع کرتے ہوئے جواب دیا،

"دراصل اسلام نے اول تو اس بات کی کوشش کی ہے کہ جرائم خود بخود کم سے کم سرزد ہوں اس کے لئے اس نے قانونی سزاؤں کی افراط کرنے سے زیادہ خوف خدا اور عقیدۂ آخرت پر زور دیا ہے۔ سب سے پہلے انسانی ذہن کو اس رُخ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ نہ سمجھے، پیٹ اور مادے ہی کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائے بلکہ عمل صالح اور آخرت کی بہبود کو اپنا مقصد حیات قرار دیکر اسی منزل کی جستجو کرے، غور فرمایئے کہ جب ایک شخص اپنے دل میں یہ یقین پیدا کر لیتا ہے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے، اور اس کے بعد ایک ابدی زندگی آنے والی ہے تو اگر اس دنیا میں اسے کچھ تنگی ترشی بھی برداشت کرنی پڑے تب بھی وہ اس تنگی کو رفع کرنے کے لئے اپنی آخرت خراب نہیں کرے گا، اور یہ تنگی ترشی اس کے دل میں وہ محرومی کا احساس پیدا نہیں کرے گی جو میرے نزدیک جرائم کی جڑ ہے ——— لہذا اسلام نے سب سے پہلے تو ایسی ذہنیت کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے جو مادی اغراض کے حصول کی بجائے آخرت کی بہبود کو اپنا منتہائے مقصود قرار دے۔ پھر مجموعی طور سے ماحول ایسا پیدا کیا ہے جس میں جرائم کے امکانات کم سے کم ہو جائیں، لیکن ان حفاظتی تدابیر کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن شخص جرم سے باز نہ رہ سکے تو پھر اس کے ساتھ کسی رحم کے سلوک کو اس نے گوارا نہیں کیا۔ وہ معاشرے کا سڑا ہوا عضو ہے جسے کاٹنے کیلئے ایسی حدود شرعیہ نافذ کی گئی ہیں، جو ایک مرتبہ جاری ہو جائیں تو سالہا سال تک لوگوں کیلئے عبرت کا سامان بن جائیں۔"

"لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدود شرعیہ اسلام کے ابتدائی دور کیساتھ خاص تھیں، اب ہمارے لئے ان کی پابندی ضروری نہیں رہی۔؟" میں بیچ میں بول اٹھا۔

"ایسا کون کہتا ہے؟" انہوں نے قدرے تعجب سے کہا۔ "قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک زمانے کیلئے نازل نہیں ہوئے تھے، ان کے مخاطب ہر دور اور ہر زمانے کے لوگ ہیں۔ لہذا قیام قیامت تک ہمارے لئے ان کے تمام تشریعی احکام کی پابندی ضروری ہے اور ان میں شرعی حدود بھی داخل ہیں۔"

"مگر ان کا کہنا یہ ہے کہ سنت سے مراد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے،

بلکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کی سنت بھی اس میں شامل ہے، لہذا اگر کسی زمانے کے مسلمان قانونی احکام کے سلسلے میں کوئی نیا طرزِ عمل اختیار کریں تو وہ بھی "سنت" ہے۔ خواہ وہ پہلے مسلمانوں کی سنت کے خلاف ہو۔" میں نے کہا۔

"میں پہلی بار آپ سے یہ عجیب وغریب بات سن رہا ہوں" انہوں نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں اور اسی کو پوری امت کا عقیدہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا بیان فرمودہ طریقۂ زندگی ہمارے دین و دنیا دونوں کے لئے صلاح و فلاح کا ضامن ہے۔ اور یہ طریقہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں قابلِ عمل بلکہ واجب العمل ہے، ہم اس طریقے کی بجائے اپنی طرف سے گھڑ کر جو طریقہ بھی اختیار کریں گے وہ ہمیں ناکامی کی طرف لے جائے گا۔"

شیخ محجوب کی اس بات پر مجھے وہ حضرات یاد آگئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کی اندھی تقلید کے بغیر مسلمان کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے، اس لئے میں نے ایک اور سوال کیا کہ:

"مغربی تہذیب کے ردّ و قبول کے سلسلے میں مسلمانوں کا رویہ کیا ہونا چاہیئے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "میرے نزدیک مغربی تہذیب کے معاملے میں مسلمانوں کو بڑی احتیاط، بیدار مغزی اور سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کی جو چیزیں مفید اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں انہیں ضرور اختیار کیجئے، بلکہ ان میں سے بیشتر چیزیں وہ ہیں جو میرے خیال میں اسلام ہی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً جذبۂ تحقیق و جستجو، جہد و عمل کا شوق وغیرہ۔ انہی چیزوں کے نتیجے میں انہوں نے جو مفید آلات اور صنعتیں ایجاد کی ہیں ان سے ضرور نفع اٹھانا چاہیئے، لیکن اس کے ساتھ ہی مغربی تہذیب کا ایک نہایت تاریک رُخ بھی ہے، فحاشی و عریانی، رقص و سرود، تصنع اور تکلف، مادہ پرستی یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو مغربی تہذیب کے بدترین مظاہر ہیں۔ اور انہوں نے انسانیت کو سخت نقصان پہنچایا ہے، افسوس ہے کہ ہم میں سے بیشتر لوگ اول الذکر چیزوں میں تو مغرب کی مطلق تقلید نہیں کرتے، اور مؤخر الذکر معاملات میں ان سے بھی آگے بڑھ جانے کی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکرِ سلیم عطا فرمائے۔"

"آمین" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اور اتنے میں لیبیا کے سفارت خانے کے لوگ شیخ محجوب کیلئے گاڑی لے کر آگئے۔ انہوں نے مسکرا کر مجھ سے ہاتھ ملائے، معانقہ کیا اور "فی امان اللہ" کہہ کر رخصت ہو گئے ـــــ

★